# علم کیا ہے؟

قبل مسیح کے ''سات سیانے'' (Seven Wise Men of Greece) ہوں، افلاطون، ارسطو یا اُن سے قبل اور بعد کے سیانے ''فلسفی''، اُن کی اکثریت نے ''تخیل'' کی پرواز سے اپنے تئیں علم اور حقیقت کو جاننے اور پانے کی کوشش کی۔ لیکن اپنے دور کی ''کتاب'' سے انہوں نے فیض نہیں اٹھایا جس کی بناء پر اپنے نکات کی گرہوں میں الجھ کر خود یقین کی منزل پر کبھی پہنچ سکے اور نہ کسی دوسرے کو راہِ منزل پر ڈال سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمان کے ہر دور میں انسان کی رہنمائی کیلئے کتاب موجود رہی ہے

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝

''ہر دور (مقررہ مدت، اجل) کیلئے کتاب ہے'' (حوالہ الرعد۔۳۸)

يَمْحُواْ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ

''اللہ جسے ختم، زائل کرنا چاہتا ہے اسے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ثبات، دوام دیتا ہے

وَعِندَهُۥٓ أُمُّ ٱلْكِتَـٰبِ ۝

اور ام الکتاب اس کی جانب سے ہے (اس کے پاس ہے)'' (الرعد۔۳۹)

اور کتاب مبین کے متعلق فرمایا:

إِنَّا جَعَلْنَـٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٣﴾

''ہم نے اسے (کتاب مبین) عربی قرآن (مجید) بنایا ہے تاکہ (اس کے ذریعے معلومات ملنے پر) تم تعقل کر سکو

وَإِنَّهُۥ فِىٓ أُمِّ ٱلْكِتَـٰبِ

اور بیشک وہ (قرآنِ مجید) ام الکتاب میں ہے'' (حوالہ الزخرف۔۳،۴)

ظاہر سے باطن، پنہاں کا علم اشیاء کے مابین تعلق، رشتے (relationship) کو دیکھنے اور جاننے سے ہوتا ہے۔ انسان کا علم ظاہر سے باطن کی جانب سفر کرتا ہے لیکن علم باطن سے ابتدا کر کے ظاہر کی جانب محوسفر نہیں ہو سکتا۔ یہ تخیل اور ذہنی بیماری کہلائے گا۔ یہ انسان کی بظاہر کمزوری اور محدودیت ہے لیکن حقیقت میں اس کے مخلوق ہونے کا ثبوت ہے اور اس کا شرف بھی۔ خالق، اللہ رب العزت نے تخلیق شئے کے ذریعے اپنے پنہاں (باطن) کو ظاہر کر دیا کیونکہ اس کا ظاہر انسان کی بصارتوں کیلئے ظاہر نہیں بلکہ پنہاں ہے۔ شئے، مخلوق کا وجود ظاہر ہوتا ہے اور اس کی حقیقت، باطن نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے اس لئے کسی بھی ظاہر مخلوق اور شئے (مادہ، کائنات) کے

باطن کو جاننے میں تشنگی کا عنصر ہمیشہ غالب رہے گا اور خالق کے ظاہر کو دیکھنے سے اس کی ہستی (نفس) کو پہچانا اور جانا نہیں جاسکتا۔ لیکن جو ہستی اپنے باطن، پنہاں کو ظاہر کردے اُس کے متعلق جاننے اور علم میں تشنگی کا عنصر قطعی طور پر موجود نہیں ہوتا۔ وہ ظاہر سے بھی زیادہ ظاہر ہونے کے باوجود مجاز نہیں ہوتا کیونکہ بصارت اس حقیقت کو پا نہیں سکتی اور اگر حقیقت مجاز میں آئے تو عام انسان کو سوائے التباس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ انسان کا یقین پنہاں کو جاننے کا محتاج ہے۔ ہماری محدودیت کا تو یہ عالم ہے کہ ہم پہچان کیلئے بھی تقابلی جائزے کے محتاج ہیں اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ''اس کی مثال بیان کرنے کیلئے کوئی شئے نہیں'' (حوالہ الشوری۔۱۱)۔

تفکر مقصود شئے سے انسان کو حقیقت تک لے جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

''اور میں نے جن وانس کو صرف اس لئے تخلیق کیا ہے کہ میری بندگی کریں'' (الذاریات۔۵۶)

سبحان اللہ! طاقت کے بل بوتے پر منوانا بھی کوئی ماننا ہے۔ تفکر کے نتیجے میں ماننا درحقیقت ماننا ہے کہ اس میں محبت، رضا و رغبت اور خلوص ہوتا ہے۔ اور کائنات کی تخلیق کی اس خواہش اور مقصد کی تکمیل میرے اور آپ کے آقا، آقائے نامدار ﷺ نے غارِ حرا کی تنہائیوں میں تفکر کر کے پوری کردی تھی۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ ''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو جستجوِ حقیقت میں پایا اس لئے حقیقت بتادی'' (الضحیٰ۔۷) اور کتاب ملنے پر فرمایا ''میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔

بندگی اور شرک ظاہر اور باطن کی کشمکش ہے۔ تفکر اور تخیل کی منزلیں ہیں۔ انسان کا تضاد ہے۔ انسان ایک جانب ظاہر کے باطن کی جستجو میں ہے اور جس موجود کا باطن عیاں ہے اسے تسلیم کرنے میں پس وپیش اور لیت ولعل کرتا ہے۔ بندگی کا ظاہر عبادت اور أَحْسَنُ عَمَلًا عمدہ عمل ہے اور اس کا باطن تفکر اور اخلاص ہے۔ شرک کا ظاہر مجاز، مجسمہ، اصنام، تماثیل، شخصیت پرستی اور باطن تخیل اور کھوٹ۔

علم کو اگر انسان اشیاء کے مابین تعلق اور ان کی فطرت کو جاننے کی خواہش تک محدود رکھے تو انسان اور جانور کے مابین فاصلہ مختصر سا دکھائی دے گا۔ یہ تو محض سماعت، بصارت اور کمتر درجے کی عقل کی صلاحیت ہے قلب ونفس کی نہیں۔ اور یہ انسان کو مجاز سے آگے کہیں نہیں لے جاسکتی اور خواہش ابھارے گی بھی تو محض مجاز کی قید میں محبوس رہنے کی۔ انسان کو اشیاء کے مابین تعلق اور ان کی فطرت کا علم اگر تفکر پر ابھارے تو حقیقتِ شئے سے حقیقت تک پہنچ پائے گا اور ''مجاز'' کی مجبوری اور قید سے آزاد ہوگا۔ میرے آقا نے انسان کو یہی ایک نصیحت فرمائی ہے

قُلۡ إِنَّمَآ أَعِظُكُم بِوَٰحِدَةٍۖ أَن تَقُومُواْ لِلَّهِ مَثۡنَىٰ وَفُرَٰدَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُواْۚ

''آپ (ﷺ) فرمائیں ''میں تم لوگوں کو صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کیلئے دو دو اور انفرادی طور پر کھڑے ہو جاؤ
اور پھر سوچو، غور و فکر، تفکر کرو''

تفکر کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جہاں فلسفیوں اور لارڈ برٹرینڈ رسل کا ذہن و تخیل کا سفر ختم ہوتا ہے کہ ان جیسے بعض لوگوں کو علم کی یہ معراج بتانے والا آسیب زدہ دکھائی دیتا ہے۔ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍۚ ''(خبردار) تمہارے آقا کو سودا نہیں ہے'' (حوالہ سباء۔۴۶)

تَقُومُواْ لِلَّهِ تفکر کی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ ترجیحات، تعصب، خواہش، جذبہ، مفاد، اپنے رنگ، ترغیب، انس، محبت، نفرت، دوستی، دشمنی کو بالائے طاق رکھ کر علم پر غور و فکر تفکر کی منزل ہے۔ تفکر اشیاء کے مابین تعلق اور فطرت اشیاء سے ان کے وجود کے مقصد اور حقیقتِ شئے سے حقیقت تک پہنچا دے گا۔ وگرنہ ہر لمحہ پھیلتے ہوئے آسمان اور سکڑتی ہوئی زمین کے کناروں سے نکلنا تو در کنار انہیں تصور میں بھی نہ دیکھ پائیں گے کہ بقول برٹرینڈ رسل ''ہم محض اشیاء کے مابین تعلق کو جانتے ہیں۔ ہم فطرت اشیاء کو نہیں جانتے''۔

''فلسفہ علم'' (Epistemology) کے متعلق قدیم اور جدید مشرق و مغرب کے فلسفیوں کی بحث اس قدر گنجلک اور پیچیدہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے فہم کی کم سطح والے مجھ جیسے تو کیا فہم کی بلند سطح کے مالک بھی تھکاوٹ کے احساس سے بچ نہیں پاتے۔ تھکاوٹ اس بناء پر نہیں ہوتی کہ ان میں علم کی گہرائی رگیرائی ہوتی ہے بلکہ تھکاوٹ کی وجہ یہ ہے کہ انسان ان میں الجھ کر رہ جاتا ہے کہ نکتے کے بعد نکتہ گرہ لگاتا جاتا ہے لیکن کسی بھی حتمی اور یقینی نکتے تک نہیں پہنچ پاتا۔ طویل سفر اور گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے سے بھی یقین کی منزل نہ ملے تو نتیجہ احساسِ تھکاوٹ کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ قرآنِ مجید کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب لاریب ہے

ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَٰبُ لَا رَيۡبَۛ فِيهِۛ ''یہ ہے وہ کتاب جسمیں ریب کوئی نہیں''۔

رَيۡبَ کا مادہ ''ر ی ب'' ہے۔ اس کے معنی شبہ، تذبذب اور بے چینی ہیں۔ یہ نفسیاتی الجھن، کشمکش اور اضطراب نفس کے معنوں میں آتا ہے۔ ریب، شک کی ضد علم ہے۔ فلسفہ، خیال، گمان، مفروضہ، داستان، کہانی، روایت میں شک کا عنصر ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ کوئی بھی بات شک سے بالاتر جبھی کہلا سکتی ہے اگر زمان و مکان اسے متاثر نہ کرتے ہوں کیونکہ حقیقت قیود سے آشنا نہیں ہوتی۔ کتاب کا دعویٰ ہے کہ یہ بیانِ حقیقت ہے۔ اور واضح الفاظ میں کہہ دیا

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلۡيَقِينِ ﴿٩٥﴾ ''یقیناً یہ (قرآنِ مجید) یقینی بیانِ حقیقت ہے'' (الواقعۃ۔۹۵)

وَإِنَّهُۥ لَحَقُّ ٱلۡيَقِينِ ﴿٥١﴾ ''اور یقیناً یہ (قرآنِ مجید) یقینی بیانِ حقیقت ہے'' (الحاقۃ۔۵۱)

قُرۡءَانًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾

''یہ ایک عربی قرآن (مجید) ہے جس میں ٹیڑھا پن نہیں تا کہ تم تقویٰ اختیار کر سکو'' (الزمر۔۲۸)۔

عربی قرآنِ مجید کی خصوصیت یہ بتائی کہ اس میں عِوَجٍ نہیں ہے۔اس لفظ کا مادہ ''ع و ج'' اور معنی ٹیڑھا ، ناہموار ہونا ہیں

لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَآ أَمۡتًا ﴿١٠٧﴾ ''اس میں ٹیڑھ اور نہ کوئی اونچ نیچ دکھائی دے گی'' (طہٰ۔۱۰۷)۔

زمین، دیوار اور کسی دوسری شئے کے حوالے سے عِوَجًا کے معنی اس ٹیڑھ کے ہوں گے جو آنکھوں سے دکھائی دے لیکن جب کتاب کے متعلق کہا جائے کہ اس میں عِوَجٍ نہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ واضح ،سیدھی، کھلم کھلی، آسان فہم کتاب ہے جس کی باتوں میں عقل و بصیرت کیلئے تضاد، التباس، الجھاؤ، ابہام نہیں۔ قرآنِ مجید بیان حقیقت ہے اوراس کا انداز آسان فہم ہے اس لئے اس سے استفادہ کرتے ہیں کہ اس سے بہتر علم کہیں سے نہیں مل سکتا۔ اور یہ علم ثبات کا حامل ہے، حتمی ہے اور زمان میں تغیر وتبدل سے نا آشنا :

وَهَـٰذَا كِتَـٰبٌ أَنزَلۡنَـٰهُ مُبَارَكٌ 'اور یہ کتاب ہے، اسے ہم نے نازل کیا ہے، اسے ثبات اور دوام ہے' (حوالہ الانعام ۹۲)

زمان کے ہر دور میں انسانیت اور خاص طور پر ''مفکرین ،ارباب اقتدار'' کیلئے نازل کردہ کتاب موجود تھی۔لیکن انہیں ثبات ودوام نہیں دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے علاوہ اس سے قبل نازل کردہ کتاب تورات، انجیل کو مُبَارَكٌ قرار نہیں دیا۔

انسان اشیاء کو تخلیق کرتا ہے۔انسان کو معلوم ہے کہ تخلیق مقصد کے زیر اثر ہوتی ہے۔اور تخلیق کردہ شئے سے وہ مقصد حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس شئے میں اس بات کی تکمیل کیلئے ضروری ''ہدایت'' موجود ہو۔ جب بھی کسی شئے کو ہم تخلیق کرتے ہیں، اسے وجود دیتے ہیں تو اس کے تمام اجزاء، پرزوں کیلئے ہدایت نامہ مرتب کرتے ہیں جس کے تحت انہوں نے وہ کام سرانجام دینا ہوتا ہے جس مقصد کیلئے انہیں تخلیق کیا۔

یہ بھی عام فہم بات ہے کہ جس کسی شئے کو ہم تخلیق کرتے ہیں اسے آزادی (independence) کی ''نعمت'' نہیں دیتے تخلیق کردہ شئے ''آزاد'' ہو ہی نہیں سکتی۔ تخلیق کردہ شئے تو تقدیر یعنی پیمانوں اور مرتب کردہ ہدایت میں مقید ہوتی ہے۔ اگر کسی شئے کا خالق یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنی تخلیق کردہ شئے کو ''آزادی'' دی ہے کہ اس شئے کا جو جی چاہے کرے تو یہ خالق کی تعریف اور وصف نہیں بلکہ درحقیقت اس کی اپنی ذات کی نفی ہے۔ یہ تو اس شئے کے تخلیق کردہ ہونے کی بھی نفی ہے کیونکہ تخلیق ارادے اور مقصد کے تابع ہے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ اگر اپنی تخلیق کردہ شئے کی صلاحیت کی ہم آزمائش کرنا چاہتے ہیں تو اسے حریت (freedom) عطا کر

سکتے ہیں کہ وہ دیئے گئے آپشنز (options) میں سے کسی ایک کو پسند کر کے اس پر کاربند ہو جائے۔ لیکن تخلیق کردہ شئے کو اتنی ' آزادی' بھی حاصل نہیں ہوتی کہ آپشنز (options) کو اپنے لئے خود متعین کر لے چہ جائکہ اپنے پسند کئے ہوئے طریقے / آپشن (option) کے نتیجے / انجام کو اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق کر سکے۔ کیا انسان اس قدر ضد کر سکتا ہے کہ اس حقیقت کو جھٹلا دے کہ وہ تخلیق کردہ ہے

ٱلَّذِىٓ أَحۡسَنَ كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقَهُۥ‌ۖ وَبَدَأَ خَلۡقَ ٱلۡإِنسَـٰنِ مِن طِينٍ ﴿٧﴾

''جس نے تمام کی تمام اشیاء (مادہ) کو احسن انداز میں تخلیق کیا۔ اور انسان کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی'' (السجدہ۔۳۲)

أَمۡ خُلِقُواْ مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ

''یا کیا وہ شئے کے غیر میں سے تخلیق ہو گئے ہیں؟

أَمۡ هُمُ ٱلۡخَـٰلِقُونَ ۝

یا کیا وہ اپنے آپ کو خود ہی تخلیق کرنے والے ہیں؟'' (سورۃ الطّور۔۳۵)

نَحۡنُ خَلَقۡنَـٰكُمۡ فَلَوۡلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾

''یہ ہم ہیں جس نے تمہیں تخلیق کیا۔ پھر تم یہ حقیقت کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

أَفَرَءَيۡتُم مَّا تُمۡنُونَ ﴿٥٨﴾

کیا تم اسے دیکھتے (غور کرتے) ہو جو تم ٹپکاتے ہو؟

ءَأَنتُمۡ تَخۡلُقُونَهُ ۥۤ أَمۡ نَحۡنُ ٱلۡخَـٰلِقُونَ ﴿٥٩﴾

''(بتاؤ) کیا تم اسے بناتے ہو یا ہم اسے بناتے ہیں؟'' (الواقعة ۵۷۔۵۹)۔

ہستی کا اظہار تخلیق ہے۔ تخلیق شئے ہے۔ تخلیق مقصد سے ہے۔ مقصد ارادے سے ہے۔ ہر شئے کا کوئی خالق ہے۔ تخلیق خالق کا ارادہ ہے۔ ارادہ ہستی کا ہے۔ تخلیق خالق کے ارادے کا اظہار ہے۔ وجودِ شئے اپنے خالق کی ہستی کا مظہر ہے۔ تخلیق ہستی کی پہچان ہے۔ علم تخلیق کا ہے۔ شئے کو جاننا ہے۔ شئے کا مقصد ہے۔ منتہائے علم مقصدِ شئے کو جاننا ہے۔ مقصدِ شئے خالق کے ارادے کا اظہار ہے۔ منتہائے علم خالق کے ارادے کو جاننا ہے۔ ارادہ ہستی کا ہے۔ علم ہستی کو جاننے کا نام ہے۔ علم حقیقت کی پہچان کراتا ہے کہ اول وآخر ہستی ہے باقی سب کچھ شئے ہے اور شئے کو فنا ہے جبکہ ہستی کو دوام ہے۔

وَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱلۡحَىِّ ٱلَّذِى لَا يَمُوتُ

''اور اس زندہ پر بھروسہ رکھ جو مرے گا نہیں'' (حوالہ الفرقان ۵۸)۔ جو اول ہے وہی آخر ہے

لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُۥ ۚ

''اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر شئے نے ہلاک ہونا ہے'' (حوالہ القصص ۔۸۸)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾

''ہر کوئی جو اس پر ہے فنا ہونے والا ہے۔

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَـٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

اور تیرے صاحب جلال وعزت رب کی ذات ہی باقی رہ جائے گی'' (سورۃ الرحمٰن ۔۲۶۔۲۷)

اِس کبھی نہ مرنے والے زندہ کو ہم کب سے جانتے ہیں؟

وَٱللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّنۢ بُطُونِ أُمَّهَـٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْـًٔا

''اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے بطنوں سے اس حال میں خارج کیا کہ تم کسی شئے کا علم نہیں رکھتے تھے'' (حوالہ النحل ۔۷۸)

**Innate versus learned**

The puzzle about origins of knowledge has led historically to two different kinds of issues. One of these is the question of whether knowledge (or at least certain kinds of knowledge) is innate, meaning that it is not acquired or learned through experience but in some important sense is present in the human psyche at birth. The matter is still a live issue today, not only in philosophy but also in linguistics and psychology. The linguist Noam Chomsky (b. 1928), for example, has asserted that the "projection phenomenon"—the ability of children to construct sentences that they have never heard before and that are grammatical—is proof of inherent conceptual structures, whereas the experimental psychologist B.F. Skinner (b. 1904) has tried to show that all knowledge is the product of learning through environmental conditioning by means of the processes of reinforcement and reward. In the extensive historical literature on this topic both the notion of "innateness" and that of "learning" have been given various interpretations. Sometimes, for instance, innateness carries only the sense of a disposition or propensity, but in stronger versions of the thesis, such as Plato's, it is affirmed that humans possess actual pieces of prenatal knowledge. "Learning" also is given a variety of meanings, ranging from

trial-and-error methods to inexplicit types of "absorption" of information. There are also a range of "compromise" theories. These typically claim that humans have some knowledge that is innate—the awareness of God, the principles of moral rightness and wrongness, and certain mathematical theorems being favoured examples—whereas other kinds of knowledge—such as knowledge by acquaintance—are gained through experience.

[Encyclopaedia Britannica 2003]

قرآنِ مجید نے چودہ سو سال قبل اس بات کو طے کر دیا تھا کہ انسان دنیا میں اپنی آمد پر کسی "شئے" کا علم نہیں رکھتا۔ اللہ رب العزت ہستی ہے اور باقی سب کچھ شئے ہے یا شئے سے ہے۔ اس لئے لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ "اس کی مثال بیان کرنے کیلئے کوئی شئے نہیں"

اس لئے قرآنِ مجید کی دی ہوئی اس اطلاع سے ہم یہ اخذ نہیں کر سکتے کہ انسان کو پیدائش کے وقت اپنے رب، اللہ تعالیٰ کا علم بھی نہیں ہوتا

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ

"اے انسانو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں تخلیق کیا ہے" (حوالہ البقرہ۔۲۱)

ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ فِرَٰشًا وَٱلسَّمَآءَ بِنَآءً وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

"(اپنے رب کی بندگی کرو) جس نے تمہارے لئے زمین کو مانند بچھونا، فرش اور آسمان کو پھیلی ہوئی چھت بنایا۔ اور آسمان سے پانی برسایا جس کے ذریعے ثمرات میں سے تمہارے لئے رزق مہیا کیا۔ اس لئے کسی کو اللہ کا ہمسر (مدمقابل) نہ ٹھہراؤ اور تمہیں علم ہے" (البقرہ۲۲)

رب اور انسان کا اول تعلق اس حوالے سے ہے کہ وہ اس کا خالق ہے۔ انسان جانتا ہے کہ اپنا خالق خود نہیں۔ اپنی ہستی کا مالک نہیں بلکہ اس کا وجود اس کے رب کا مرہونِ منت ہے۔ اور رب کی بندگی کرنا انسان کا یہ تسلیم اور اقرار کرنا ہے کہ وہ اپنے رب کی مخلوق ہے۔

علم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر انسان اسے لازماً تسلیم کرتا ہے۔ تسلیم نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ انسان کو حریت (freedom) حاصل ہے

نَحْنُ خَلَقْنَـٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿٥٧﴾

"یہ ہم ہیں جس نے تمہیں تخلیق کیا۔ پھر تم یہ حقیقت کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ (الواقعة۔۵۷)

ضد، ہٹ دھرمی اور مفاد کے دائرے میں اگر انسان مقید نہیں تو حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار ممکن نہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِٱللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَٰتًا فَأَحْيَـٰكُمْ ۖ

"اللہ کا تم انکار کیسے کر سکتے ہو یہ جانتے ہوئے کہ تم بے جان، مردہ شئے (matter) تھے تو اس نے تمہیں زندگی بخشی" (حوالہ البقرۃ۔۲۸)

اللہ رب العزت نے انسان کو مخاطب کر کے پہلی ہی بات میں لاوجود الا اللہ کے تخیل اور فلسفے کی نفی فرما دی کہ وجود وجود ہی سے اقرار کا طالب ہوتا ہے۔ لاوجود کی حالت میں وجود کے ہونے کا اقرار کون کرے گا؟ وجود کا اپنی نفی کر کے دوسرے کے وجود کا اثبات کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ محض الفاظ سے کھیلنا ہے اور اگر ان الفاظ کی تہہ میں غوطہ زن ہوں تو یہ اپنے وجود کا انکار نہیں بلکہ اپنے وجود کو کچھ اور ہی سمجھنا اور گمان کرنا ہے اور تخیل کی (تفکر کی نہیں) اڑان کے سوا اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ لاوجود الا اللہ کا خیال اور تصور انسان کو فضاؤں میں اڑان کا لطف تو شاید دے لیکن پھر انہی فضاؤں میں فلسفیانہ دائروں میں معلق حالت میں گھومتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی آیات ''ہدایت'' ہیں اور تنبیہ فرمائی

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي ٱلْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ

''اگر تم زمین کے اکثر لوگوں کے کہنے پر چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ (الانعام۔۱۱۶)

اس لئے کہ وہ تو پیروی کرتے ہیں مگر صرف گمان کے پیچھے چلنے میں اور وہ صرف قیاسی (conjectural) باتیں کرتے ہیں''

کسی بھی شئے اور ہستی کا علم ہونا اور اس کو تسلیم کرنا دو الگ باتیں ہیں۔ لیکن علم تسلیم کرنے کا متقاضی ہے، دائروں میں گھومتے رہنے کا نہیں

وَٱلَّذِينَ يُحَآجُّونَ فِي ٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ مَا ٱسْتُجِيبَ لَهُۥ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾

''اور اللہ کے بارے میں جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں، اس کے بعد کہ اسے مان لیا گیا ہے

ان کی حجت ان کے رب کے ہاں رد ہونے والی ہے۔ اور ان پر غضب ہو گا اور انہیں سخت عذاب ہو گا'' (الشوریٰ۔۱۶)۔ الحمد للہ

روزمرہ کے مشاہدہ کی بناء پر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انسان دنیا میں اپنی آمد پر **لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا** ''کسی شئے کو نہیں جانتا''۔ **تَعْلَمُونَ** مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے ''تم جانتے ہو، تم جان لو گے، تمہیں علم ہے''۔ دنیا میں آمد کے وقت انسان ''علم نہیں رکھتا''، لیکن واضح بتایا کہ علم ''شئے'' کا ہوتا ہے۔ ''شئے'' بنیادی طور پر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو وجود (dimensions) رکھتی ہے، جسے محسوس کیا جا سکے، جس کا ایک متعین اسم، نام ہے۔ علم کی ابتدا شئے کے اسم اور وجود سے مطلع ہونا ہے۔ اسم سے مطلع ہونے کیلئے سماعت ہے اور وجودِ شئے پر مطلع ہونے کیلئے بصارت۔

إِنَّا خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ

''ہم نے انسان کو دوسری چیزوں سے باہم گر ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا۔ ہم اسے آزماتے ہیں''

فَجَعَلْنَٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ۝

اس لئے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا ہے'' (الانسان۔۲)

سماعت اور بصارت وہ صلاحیت ہے جو علم حاصل کرنے کا بنیادی ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ محض سننا اور دیکھنا علم نہیں ہے۔ آنکھوں سے دیکھنا تو محض (visual anomalies, trick) دھوکا اور گمان بھی ہوسکتا ہے

وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَعْمَٰلُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ ٱلظَّمْـَٔانُ مَآءً

''اور کفار کے اعمال صحرا کے اس سراب کی مانند ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَهُۥ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا

یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو وہاں کچھ شئے نہ پائے'' (حوالہ سورۃ النور۔۳۹)

سراب کو پانی وہ سمجھتا ہے جو پیاسا ہے۔ سرابوں کے پیچھے بھاگتے وہی ہیں جو خواہشات وجذبات، مفادات سے مغلوب ہوتے ہیں۔ سماعت اور بصارت ذریعہ ہیں۔ سننا اور دیکھنا علم نہیں۔ علم ٹھوس حقیقت ہے۔ سننا اور دیکھنا اس وقت علم بنتا ہے جب اس کو پرکھ لیا گیا ہو

وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ ۙ

''اور تمہارے لئے سماعت، بصارت اور دل ودماغ بنائے'' (حوالہ النحل۔۷۸، السجدہ۔۹، الملک۔۲۳)

سنے اور دیکھے کو ذہن وقلب سے پرکھنے (interpret,reflect) کے بعد علم کے درجے پر فائز سمجھا جاتا ہے کہ علم حقیقت کا تعین ہے قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ ہر مقام پر سماعت کو بصارت سے قبل بیان کیا گیا ہے کہ انسان دنیا میں اپنی آمد پر سماعت سے پہلے مستفید ہوتا ہے اور آنکھ بعد میں کھولتا ہے۔ علم حاصل کرنے کے یہ ذرائع عطا فرمائے ہیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ'' تاکہ تم شکرگزار بنو'' (حوالہ النحل۔۷۸) لیکن ہماری روش یہ ہے قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝'' کم ہی ہیں جو شکرگزار ہیں'' (حوالہ السجدہ۔۹، الملک۔۲۳ )

الحمد لله

کیا شئے کا محض بصارت میں آجانا علم ہے؟

وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا

''اور (تمہارے رب نے) آدم کو تمام چیزوں کے اسماء کا علم دے دیا۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى ٱلْمَلَٰٓئِكَةِ

بعدازاں ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے رکھا''

''عَرَضَ'' کے معنی کسی چیز کا ظاہر ہو جانا، دکھائی دینا یا پیش کرنا ہیں۔

فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِى بِأَسۡمَآءِ هَـٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمۡ صَـٰدِقِينَ٥

''اور ان سے پوچھا'' ان کے نام بتاؤ اگر تم (اپنی بات، رائے میں) سچے ہو''

علم کیلئے شئے کا ظاہر ہونا اور اس کا اپنا ایک اسم ہونا بنیادی ضرورت ہے۔ سچا وہ ہے جس نے مکمل علم کی بنیاد پر بات کہی ہو، شئے کو پرکھ لیا ہو۔ ملائکہ کو اپنی رائے کی کمزوری کا علم اور احساس ہو گیا

قَالُواْ سُبۡحَـٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَآ

''انہوں نے کہا'' تو پاک ہے! ہمیں علم نہیں سوائے اس علم کے جو آپ نے ہمیں بتلایا ہے۔

إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡحَكِيمُ

آپ ہی علم اور حکمت (پنہاں حقیقت کو جاننے) والے ہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۳۱۔۳۲)

ضروری نہیں کہ جو بات سچائی کے درجے پر فائز قرار نہ پا سکے جھوٹ کہلائے۔ ادھورے علم کی بنیاد پر وقت کے ایک مقام پر قائم کی گئی کوئی رائے آنے والے وقت میں صحیح بھی ہو سکتی ہے اور اس کے غلط ہونے کا امکان بھی ہے۔ اس لئے ادھورے علم کی بنیاد پر قائم کی گئی رائے کو وقت کے اُس مقام پر سچائی کے درجے پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔ جھوٹی بات وہ ہے جو کسی علم، معلومات کے بغیر محض خیال، تخیل کی پیداوار ہو۔ (سائنسدان اور بعض فلسفیوں میں یہی بنیادی فرق ہے۔ سائنسدان بعض معلومات کی بناء پر کسی بھی شئے (phenomena) کے متعلق رائے، مفروضے قائم کرتا ہے جنہیں وقت کے اُس مقام پر اگرچہ سچائی نہیں کہا جا سکتا لیکن جھوٹ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا اور زمان کی گزرگاہ میں بعد میں آنے والا سائنسدان مشاہدے اور معلومات کی بناء پر پرانی رائے کو صحیح یا غلط قرار دیتا ہے۔ لیکن بعض فلسفی تخیل کی پرواز سے جو کچھ کہتے ہیں وہ وقت کے اُس مقام پر بھی جھوٹ ہوتی ہے اور یوں لغویات اور بے سروپا باتوں میں الجھا کر انسانیت کے وقت کو برباد کرتے ہیں ۔

ملائکہ کے جواب سے واضح ہوا کہ کسی بھی شئے کا محض نگاہوں میں ہونا علم نہیں ہے۔ علم یہ ہے کہ نگاہ میں آنے والی شئے کا اسم معلوم ہو۔ نگاہ میں آنے والی شئے، ظاہری علامت، نشانی صرف اس صورت میں یادداشت میں محفوظ ہو سکتی ہے اگر اسے کوئی نام، اسم (code) دیا جائے اور سماعتوں کو سنایا جائے۔ اسم سماعت کیلئے ہے اور شئے کا ظاہر بصارت کیلئے۔ اسم نہیں تو شئے کا ظاہر ہونا اور نہ ہونا معنویت سے عاری ہو گا۔ اسم کے بغیر کسی شئے کے وجود کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسم کے بغیر شئے، تصور، نظریہ موجود نہیں عدم ہے۔ اور وجود اور موجود (حقیقت) کے بغیر کسی بھی اسم کی کوئی حقیقت نہیں کہ یہ علم نہیں بلکہ محض ''أَفۡوَٰهِهِمۡ'' ان لوگوں کے منہ کی باتیں ہیں۔

اشیاء کا وجود اور ان کے اسماء انسان کی سماعت اور بصارت کیلئے معلومات (information,data) ہیں۔ اگر انسان کی بصارت میں صرف اور صرف ایک شئے کا وجود آئے تو کیا وہ اس کی یاداشت پر نقش اور محفوظ ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کیلئے نفسیات، اعصاب اور دماغ کا ماہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جواب نفی میں ہے۔ اشیاء کے وجود (ماہیت) اور اسماء کا یاداشت میں محفوظ ہونا ان کے تقابلی جائزے کا مرہون منت ہے۔ اشیاء کا تقابلی جائزہ اور ان کے مابین اختلاف، فرق، تعلق، اقدار کی معلومات وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بناء پر انہیں یاداشت میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اختلاف، تضاد، تفاوت، تعلق کم از کم دو کے مابین ہوتا ہے۔ انسان کے تمام علم کی عمارت کی بنیاد وحدت الوجود (لاموجود الا اللہ، شئے اور عکس) پر نہیں بلکہ دو کے مابین تعلق، رشتے، اختلاف، تضاد پر استوار ہوتی ہے۔ علم مرہون منت ہے کائنات میں اشیاء کے زوجین ہونے کا۔ فرمایا

وَمِن كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾

''اور ہم نے ہر شئے کو جوڑے میں تخلیق کیا تا کہ تم ''محفوظ کر سکو''(نصیحت حاصل کرو)'' (الذاریات۔۴۹)

وَٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْأَزْوَٰجَ كُلَّهَا

''اور وہ جس نے سب چیزوں کے جوڑے بنائے'' (حوالہ الزخرف۔۱۲)۔

''زوج'' کے معنی اور مفہوم محض مذکر مئونث کے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مقابل ہونے والی چیزوں کو بھی ''زوج'' ہی کہتے ہیں جیسے رات اور دن، ایک دوسرے کے مقابل گروہ۔ روز قیامت انسانوں کی تقسیم یہ بتائی وَكُنتُمْ أَزْوَٰجًا ثَلَٰثَةً ﴿٧﴾ ''اور تم تین قسم کے گروہ ہو جاؤ گے'' (الواقعة۔۷)۔ تَذَكَّرُونَ کا مادہ ''ذ ک ر'' ہے۔ اور اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو محفوظ کر لینا، کسی بات کو دل میں محفوظ کر لینا ہیں۔ یہ ''ن س ی'' کے مقابل آیا ہے جس کے معنی کسی بات کو بھلا دینا ہیں۔

سیدہ مریم صدیقہ کی ماں نے اپنے بطن میں پلنے والے بچے کو اللہ تعالیٰ کی نذر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور جب انہوں نے سیدہ مریم کو جنم دیا قَالَتْ رَبِّ إِنِّى وَضَعْتُهَآ أُنثَىٰ (اللہ تعالیٰ سے سادگی سے) ''کہا ''یا رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے''

وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ ٱلذَّكَرُ كَٱلْأُنثَىٰ

''اور اللہ جانتا تھا جو اس نے جنا تھا۔ اور مذکر مئونث جیسا نہیں ہوتا''

کائنات کی ہر شئے زوجین پر مبنی نہ ہوتی تو انسان کیلئے علم اور نصیحت حاصل کرنا تو دور کی بات کیا گفتگو، تذکرہ کرنا بھی ممکن ہوتا؟

کیا شئے کا نگاہ میں ہونا اور اس کے اسم کو جاننے کا نام علم ہے؟

قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے آدم! انہیں ان کے نام بتا''

فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡ

''پھر جب اس نے انہیں ان کے نام بتا دیئے'' (حوالہ البقرۃ۔۳۳)

واضح ہوا کہ اشیاء کی پہچان علم ہے۔ شئے کی پہچان کا مفہوم یہ ہے کہ اسے دوسری اشیاء سے ممیّز کرتے ہوئے اس کے اسم سے بیان کیا جا سکے۔ انہیں ان کے اسماء سے بیان کرنا علم ہے۔ علم وہ ہے جسے سنایا جا سکے۔ اور سناتا وہ ہے جس نے دیکھا ہو۔

أَلَمۡ نَجۡعَل لَّهُۥ عَيۡنَيۡنِ ﴿٨﴾ ''کیا ہم نے اس کیلئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟

وَلِسَانًا وَشَفَتَيۡنِ ﴿٩﴾ اور زبان اور دو ہونٹ

وَهَدَيۡنَـٰهُ ٱلنَّجۡدَيۡنِ ﴿١٠﴾ اور اسے دو راہیں دکھا نہیں دیں؟'' (البلد۔۸۔۱۰)

علم وہ ہے جسے یاداشت (Memory) میں سے نکالا جا (Retrieve, decode) سکے تا کہ اسے زبان سے بیان، تذکرہ کیا جائے

خَلَقَ ٱلۡإِنسَـٰنَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ ٱلۡبَيَانَ ﴿٤﴾

''اس نے انسان کو تخلیق کیا۔ (پھر) اسے علمِ بیان دیا'' (الرحمٰن۔۳۔۴)

لیکن یاد رہے انسان کی زبان اور ہونٹوں پر پابندی کوئی نہیں اس لئے اس کے منہ سے نکلے ہوئے ہر قول کو علم تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ یعنی توجہ ہٹا دینے، غافل کر دینے والی بے مقصد، لغو، گمان، تخیل کی باتیں بھی زبان اور ہونٹوں ہی سے ادا ہوتی ہیں

اور تذکرے کو سننے کیلئے أُذُنٌ یعنی کان ہیں۔ عربی زبان کے مادہ ''ا ذ ن'' کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے اور بہتر ادراک کیلئے قرآنِ مجید کی ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں یہ استعمال ہوا ہے يَجۡعَلُونَ أَصَـٰبِعَهُمۡ فِىٓ ءَاذَانِهِم ''اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۱۹)۔ جَعَلُوٓاْ أَصَـٰبِعَهُمۡ فِىٓ ءَاذَانِهِمۡ ''توانہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں'' (حوالہ نوح۔۷) کان سماعتوں کیلئے ہوتے ہیں۔ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے سے باہر کی آواز، بادلوں کی گھن گرج اور تذکرے کو سماعتوں تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی جا سکتی ہے فَإِن لَّمۡ تَفۡعَلُواْ فَأۡذَنُواْ ''اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر سن لو'' (حوالہ البقرۃ۔۲۷۹)۔ اگر کسی بات کو کرنے کا کہنے کے بعد کہا جائے کہ اگر ایسا نہ کیا تو اس کا انجام، نتیجہ بھی سن لو تو سنانے کے اس انداز کو اطلاع دینا، دھمکی دینا، اعلان کرنا کہتے ہیں۔ وَفِىٓ ءَاذَانِهِمۡ وَقۡرًا ''اور ان کے کانوں میں گرانی ہے'' (حوالہ الانعام۔۲۵، الاسراء۔۴۶، الکہف۔۵۷)۔ وَفِىٓ ءَاذَانِنَا وَقۡرٌ ''اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے'' (حوالہ فصلت۔۵)۔ کان سننے کی صلاحیت رکھتے اور پیدا کرتے ہیں وَلَهُمۡ ءَاذَانٌ لَّا يَسۡمَعُونَ بِهَآ ''ان کیلئے کان ہیں مگر ان سے وہ سنتے نہیں'' (حوالہ الاعراف۔۱۷۹)

کان کی شکل کی بنی ہوئی شئے کان نہیں بن جاتی اگر اس میں سماعت کی صلاحیت نہیں۔ اصنام، بتوں کے متعلق پوچھا

أَمْ لَهُمْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ''کیا ان کیلئے وہ کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہوں؟'' (حوالہ الاعراف۔۱۹۵)

اشیاء کے متعلق معلومات کا ذکر کرنے کا نام علم ہے۔ یہ بیان اس صلاحیت کا مرہون منت ہے کہ ان معلومات کو ذہن، یاداشت سے نکال کر آپ نے ان سے ''لِقَاء یعنی ملاقات'' کی ہے۔ ذہن میں حقیقت کو محفوظ کرنے اور بیان کرنے اور عمل کے قالب میں ڈھالنے کی صلاحیت کا نام علم ہے۔ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ''کسی شئے کا علم نہیں رکھتا'' کے مقام سے ابھرنے کا نام زندگی ہے انسان کی حیات کا مظہر علم کا حصول ہے کہ اس کے دانستہ افعال اور اعمال اُس علم کے مرہون منت ہیں جو اس کی یاداشت میں محفوظ ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ''اور اس بات کے پیچھے نہ لگ جس کے متعلق تجھے علم نہیں۔

إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُو۟لَـٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا ٥

بیشک کان، آنکھ اور دل و دماغ وہ ہیں جن میں سے ہر ایک کے متعلق پوچھا جائے گا'' (الاسراء۔۳۶)

سماعت، بصارت اور دل و دماغ علم کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ حقیقی معنوں میں انسان اس وقت تک زندہ ہے جب تک سماعت، بصارت اور دل و دماغ علم کے حصول کیلئے کوشاں ہیں لیکن جس لمحے، نقطے پر ان صلاحیتوں پر جمود طاری ہو جائے تو حیات ٹھہر جاتی ہے اگرچہ انسان زندہ دکھائی دیتا ہے۔ جس انسان نے اپنی سماعت، بصارت اور قلب و ذہن پر جمود طاری کر لیا اس نے درحقیقت ٱلْأَغْلَـٰلَ یعنی طوق کو خود گلے میں ڈال لیا اور پاؤں میں سَلَـٰسِلَا۟ زنجیروں کو باندھ کر اپنے آپ کو ایک مقام پر محدود کر لیا۔ اور یوں جانور کی طرح مَهْجُورًا بنا لیا جس کے گلے میں رسی ڈال کر پاؤں سے باندھ کر رسی اتنی چھوٹی رکھتے ہیں کہ جانور کی حرکت محدود ہو جائے۔ یہ انسان کو ایک دائرے میں قید کر دینا ہے۔ وسعت سکڑ جاتی ہے۔ نگاہ سمٹ جاتی ہے۔ ذہن جمود کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ کائنات ہر لحہ پھیل رہی ہے۔ یہ موت کی مانند مردہ ہونا ہے۔

کیا اشیاء کے اسماء، باتوں کا سماعتوں میں آنا علم ہے؟ سماعت کیا ہے؟ کیا کان کے پردے پر آواز کی لہروں کے ٹکرانے سے پیدا ہونے والے ارتعاش کا نام سماعت ہے؟ چوپایوں کی حد تک شاید یہ صحیح ہو۔ انسان کیلئے سماعت کے یہ معنی و مفہوم نہیں۔

وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾

''(اے ایمان لانے والو!) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے ہیں ''ہم نے سنا'' مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سنتے نہیں''

سماعت اور سننا کسے کہتے ہیں؟ واضح فرمایا

إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلۡبُكۡمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡقِلُونَ ﴿٢٢﴾

''بیشک اللہ کے نزدیک برے جانور وہ لوگ ہیں جو دانستہ بہرے اور گونگے بن کر عقل استعمال نہیں کرتے''

وَلَوۡ عَلِمَ ٱللَّهُ فِيهِمۡ خَيۡرً۬ا لَّأَسۡمَعَهُمۡ‌ۖ اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی (کی رمق) جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا

وَلَوۡ أَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّواْ وَّهُم مُّعۡرِضُونَ ○ لیکن وہ انہیں سنوا بھی دیتا تو وہ کنارہ کرتے ہوئے منہ موڑ جاتے

(کہ ان میں بھلائی کی رمق ہے ہی نہیں)'' (الانفال۔۲۱۔۲۳)

سماعت انسان کو صرف اس صورت میں فائدہ، علم پہنچا سکتی ہے اگر بات سماعت کے پردے سے ٹکرانے کی حد تک نہ ہو بلکہ بگوشِ ہوش سنی گئی ہو کہ دل و دماغ اسے جانچیں اور پرکھیں۔ ارشاد فرمایا

وَمِنۡهُم مَّن يَسۡتَمِعُونَ إِلَيۡكَ‌ۚ ''اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر کان لگا کر) آپ (ﷺ) کو سنتے ہیں''

أَفَأَنتَ تُسۡمِعُ ٱلصُّمَّ وَلَوۡ كَانُواْ لَا يَعۡقِلُونَ ○

''کیا آپ (ﷺ) بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں؟'' (یونس۔۴۲)

سماعتوں کا تو اس میں قصور نہیں اگر کوئی شخص کسی بات کو سننے کیلئے تیار ہی نہیں۔ اس کی سماعتوں سے ٹکرانے کے بعد بات ویسے ہی واپس چلی آئے گی جیسے کسی مردے کے کانوں سے آوازیں ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں کہ مردے کے ذہن، عقل تک ان کی رسائی ممکن نہیں جب تک اللہ اسے سنوانا نہ چاہے۔ قُلۡ إِنَّمَآ أُنذِرُكُم بِٱلۡوَحۡىِ‌ۚ '' کہیں ''میں تو تمہیں وحی کے ذریعے سے خبردار کرتا ہوں''

اور بعض لوگوں کے متعلق تلخ سچ بتایا

وَلَا يَسۡمَعُ ٱلصُّمُّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ○

''مگر بہرے لوگ دعوت کو نہیں سنتے چاہے جیسے رجب بھی انہیں خبردار کیا جائے'' (الانبیاء۔۴۵)

إِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ ٱلۡمَوۡتَىٰ وَلَا تُسۡمِعُ ٱلصُّمَّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوۡاْ مُدۡبِرِينَ ﴿٨٠﴾ (النمل۔۸۰)

فَإِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ ٱلۡمَوۡتَىٰ وَلَا تُسۡمِعُ ٱلصُّمَّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوۡاْ مُدۡبِرِينَ ﴿٥٢﴾ (الروم۔۵۲)

''بیشک آپ (ﷺ) مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ اُن بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر مڑ جائیں''

قرآن مجید کتابِ لاریب ہے۔ دوٹوک بیانِ حقیقت ہے۔ قرآنِ مجید آدھا سچ بیان نہیں کرتا۔ اس کی ہر بات نپی تلی ٹھوس حقیقت ہے۔ قوتِ سماعت سے محروم بہرے لوگ اگر بات سننے اور سمجھنے پر مائل ہوں اور داعی کی طرف دیکھ رہے ہوں تو انہیں اشاروں کی زبان میں

بات سنائی اور سمجھائی جا سکتی ہے۔لیکن ان دو آیات میں یہ بتایا کہ حقیقی بہروں کو بات نہیں سنائی جا سکتی اگر پیٹھ پھیر کر وہ چل دیں کہ پھر داعی کیلئے ان کی حیثیت مُردوں جیسی ہو جاتی ہے۔روز قیامت فیصلے کے بعد لوگوں کا یہ اپنا بیان ہے

وَقَالُواْ لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ أَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝١٠

''اورانہوں نے کہا''اگر ہم سننے والے یا عقل سے کام لینے والے ہوتے تو آج آگ سے جھلسنے والوں کے ساتھی نہ ہوتے''

سماعت یعنی بات/آوز کا محض کان سے سن لینا علم نہیں ہے۔سماعتوں میں آنے والی شئے اس وقت علم بنتی ہے جب (interpret) عقل استعمال کر کے اسے ذہن میں محفوظ کر لیا جائے۔عقل استعمال کئے بغیر سماعت کے کوئی معنی اور مفہوم نہیں۔بنی اسرائیل کے قدیم آباؤ اجداد نے بچھڑے میں سے آنے والی صوت کو سماعتوں سے سنا تھا لیکن عقل استعمال نہیں کی تھی کہ اس صوت میں کلام تو تھا ہی نہیں۔''سننا'' اس کو کہتے ہیں جب عقل استعمال کرتے ہوئے کسی صوت کو سماعتوں سے آگے لے جا کر ذہن میں محفوظ کر لیا جائے۔

أَمۡ تَحۡسَبُ أَنَّ أَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُونَ أَوۡ يَعۡقِلُونَۚ إِنۡ هُمۡ إِلَّا كَٱلۡأَنۡعَٰمِۖ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝٤٤

''کیا آپ (ﷺ) خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا عقل استعمال کرتے ہیں؟
وہ تو محض چوپایوں کی مانند ہیں۔نہیں! بلکہ راہ سے زیادہ غافل ہیں''(الفرقان۔۴۴)

انسانوں کو چوپایوں کی بجائے درندوں کی مانند کیوں نہیں کہا؟ اس لئے کہ سماعتوں میں آنے والی ہر نئی آواز پر درندے چوکنا اور خبردار ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک اس آواز کی حقیقت/اصلیت کو پرکھ/سمجھ نہ لیں۔چوپایوں کی سماعتوں میں آواز آتی ہے لیکن وہ اسے پرکھتے نہیں اور یوں عقل کو استعمال نہ کرنے کی بناء پر ماحول سے غافل رہتے ہیں۔

سماعت محض ایک صلاحیت ہے جسے عقل وفکر سے اگر یکجا نہ کیا جائے تو آواز کی موجودگی لہروں کے ارتعاش سے زیادہ قوت کی حامل نہیں ہوتی کہ انسان کی غفلت کے حصار کو توڑ سکے۔ آواز کی لہروں کا ارتعاش بہرے انسان کے کانوں سے بھی ٹکراتا ہے لیکن چاہے کتنا ہی طاقتور شور ہو اسے متوجہ نہیں کر سکتا۔اور انسان کے بس میں یہ بھی ہے کہ آواز کی لہروں اور اس سے پیدا ہونے والے ارتعاش کو کسی مقام تک پہنچنے سے روک دے، اس جگہ کو ایسا بنا دے (Sound proof) کہ آواز رسائی نہ کر سکے۔انسان میں یہ صلاحیت اس قدر ہے کہ اپنے ہی ذہن اور عقل وفکر کے گرد اتنا مضبوط اور پائیدار حصار قائم کر لیتا ہے کہ سماعتوں میں آنے والی بات اس کی عقل وفکر تک رسائی نہیں کر سکتی۔اس قسم کا حصار انسان اپنے لئے خود دانستہ بھی بنا سکتا ہے اور کسی انسان کے گرد یہ حصار دوسرے لوگ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ کسی بھی انسان کی عقل وفکر کے گرد حصار قائم کرنے کا آسان، قدیم اور آزمودہ نسخہ یہ ہے کہ اس کی سماعتوں کو کوئی بات بار بار کثرت سے سنائی جائے اور زمان میں اسے دہرایا جاتا رہے۔اور انسان کی عقل وفکر کے گرد سب سے زیادہ مضبوط قائم ہونے والا حصار تقلید ہے کہ اس میں شگاف ڈالنا ایک مشکل، پیچیدہ اور صبر آزما کام ہے۔

انسان لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ''کسی شئے کا علم نہیں رکھتا'' کے مقام سے سماعتوں میں آنے والے اسماء اور نگاہوں میں آنے والی اشیاء، ظاہری علامتوں، نشانیوں (ان کیلئے عربی کا لفظ ءَ ایَةٍ ہے)، معلومات کو یادداشت میں محفوظ کرتے ہوئے زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔ انسان کے حواس، سماعت اور بصارت، کی بھی ایک یاداشت (Sensory Memory) ہوتی ہے لیکن انتہائی محدود وقت کیلئے۔ کسی شئے کی ایک جھلک آنکھ کی ''یاداشت'' (iconic memory) میں اتنی ہی دیر محفوظ رہتی ہے جتنی دیر بصارت کا نظام اسے پرکھنے (interpret) میں لگاتا ہے۔ اسی طرح سماعتوں سے ٹکرانے والی آواز حسِ صوت کی ''یاداشت'' (Echoic memory) میں اطلاع ملنے کے بعد کچھ دیر کیلئے محفوظ رہتی ہے۔ اور چند لمحات کے بعد مٹ (erase) جاتی ہے۔ لیکن اگر آنکھوں سے دیکھی ہوئی شئے اور سماعتوں میں آنے والے کلام کو توجہ، انہماک اور غور سے دیکھا اور سنا جائے تو ذہن کی یاداشت پر یہ ثبت (storage) ہو جاتی ہے اور ذہن اس کو الٹ پلٹ (process) کر دیکھ (بصر) سکتا ہے اور وقت گزرنے کے بعد یاداشت میں سے نکالا، یاد (Retrieval of information)، ذکر کیا جاسکتا ہے۔ سماعت کے ان دو طرح کے انداز کے متعلق بتایا

وَمِنۡهُم مَّن يَسۡتَمِعُ إِلَيۡكَ حَتَّىٰٓ إِذَا خَرَجُواْ مِنۡ عِندِكَ

''اور ان میں بعض آپ (ﷺ) کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں حتیٰ کہ جب آپ سے نکلتے ہیں

قَالُواْ لِلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ ءَانِفًاۚ

تو اہل علم سے پوچھتے ہیں ''انہوں نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟'' (حوالہ سورۃ محمد ﷺ ۔١٦)

ان لوگوں نے بات کو سنا لیکن حسِ سماعت کی یاداشت (Sensory, Echoic memory) سے بات کو آگے ذہن تک رسائی نہیں کرنے دی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختصر وقت کے بعد بات ان کیلئے مٹ گئی۔ عقل نے اسے پرکھا نہیں تھا اس لئے یاداشت میں جب ہے ہی نہیں تو اسے واپس کیسے لائیں، پھر دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے ابھی چند لمحے قبل کیا کہا تھا۔ سنی ہوئی بات کو اگر ذہن سے واپس نکالا جاسکے تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا جواب (Response) دیا جاسکے۔ حقیقی اور اصل سننا کسے کہتے ہیں؟

إِنَّمَا يَسۡتَجِيبُ ٱلَّذِينَ يَسۡمَعُونَۘ ''بیشک جواب وہی لوگ دیتے ہیں جو سنتے ہیں'' (حوالہ الانعام۔٣٦)

قرآنِ مجید بیان حقیقت ہے اور اس کی زبان عربی مبین کے الفاظ (مفردات) انفرادی حیثیت میں بھی اپنے آپ میں ثابت شدہ حقیقت (scientific proven fact) پر مبنی ہیں۔ يَسۡتَجِيبُ کا مادہ ''ج و ب'' ہے اور اس کے اصلی معنیٰ قطع کرنا، پھاڑنا، سوراخ کرنا ہیں۔ قوم ثمود کے متعلق بتایا ہے کہ گھر بنانے کیلئے جَابُواْ ٱلصَّخۡرَ بِٱلۡوَادِ ''وادی میں چٹانیں تراشتے تھے''۔ اسی مادہ سے جَوَاب ہے جو سماعتوں سے کئے جانے والے سوال، ندا، پکار کا جواب ہے۔ عربی زبان کے مادہ سے بننے والے

مختلف الفاظ میں مادہ کے بنیادی معنی کا اثر اور مفہوم غالب رہتا ہے۔ انسان جب جواب دیتا ہے تو وہ بھی یاداشت میں سے پھاڑنے، سوراخ کرنے اور اس میں سے قطع کرنے ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سوال امداد واعانت طلب کرنے کیلئے بھی ہوتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہوں گی اور اجابت واستجاب ان دونوں قسموں کے جواب کیلئے بولا جائے گا یعنی کسی سوال کا جواب دینا یا کسی مانگ اور مطالبہ کا پورا کر دینا اور دونوں ہی میں قطع کرنے کا بنیادی عنصر شامل ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ ٱلَّذِينَ يَسْمَعُونَ دعوت حق پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں جو بات کو قلب و ذہن کی توجہ کے ساتھ سنجیدگی اور متانت سے سنیں کہ بات حسِ سماعت سے اتر کر قلب و ذہن تک رسائی کر کے علم بن کر محفوظ ہو سکے اور اس شخص کیلئے جواب دینے کی صلاحیت / ارادہ پیدا کرنے کا موجب بن سکے تا کہ اللہ تعالیٰ عقل سے دل تک اسے منتقل کر دے اور وہ شخص زبان سے ماننے کا اقرار الفاظ میں بیان کر دے۔ اور جن کی سننے کے دوران یہ حالت ہو کہ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ''ان کے دل کسی اور ہی خیال میں ہوتے ہیں'' (حوالہ الانبیاء۔۲) تو سنائی جانے والی بات ان کی سماعتوں کے پردوں پر محض ارتعاش پیدا کرنے کے بعد مٹ جائے گی اور جب یاداشت میں کچھ محفوظ ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی عقل سے دل تک کیا منتقل کرے کہ جواب دے سکیں، زبان سے مان سکیں؟

کان کی شکل کی بنی ہوئی شئے کان نہیں بن جاتی اگر اس میں سماعت کی صلاحیت نہیں۔ اصنام، بتوں کے متعلق پوچھا

أَمْ لَهُمْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ''کیا ان کیلئے وہ کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہوں؟'' (حوالہ الاعراف۔۱۹۵)

قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ کانوں کی ایک صلاحیت یہ بھی بتائی

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

''تا کہ اسے تمہارے لئے یاددہانی بنا دیں اور محفوظ رکھیں محفوظ (یاد) رکھنے والے کان'' (الحاقۃ۔۱۲)

یہ اس طوفان کے متعلق بتایا جا رہا ہے جس میں نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کر دیا گیا تھا اور نوح علیہ السلام اور ایمان لانے والوں کو ان کے ساتھ کشتی میں سوار کرا کے بچا لیا گیا تھا۔ تَعِيَهَآ اور وَاعِيَةٌ کا مادہ ''و ع ی'' ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو محفوظ کر لینا، جمع کر لینا، یاد کر لینا ہیں۔ أُذُنٌ وَاعِيَةٌ میں وَاعِيَةٌ اسم فاعل ہے اور وہ کان ہے۔ کان کی ایک صلاحیت، کام یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ''محفوظ کر لیتا ہے''۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ بات کو ہم کانوں سے سنتے ہیں اور اسے محفوظ ذہن کی یاداشت میں کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت مبارکہ میں بتایا یہ گیا ہے کہ کان کی ''اپنی یاداشت'' بھی ہوتی ہے۔ آقائے نامدار ﷺ نے لوگوں کو قرآنِ مجید میں یہ بات چودہ سو سال قبل بتائی تھی۔ ایک امریکی ماہر نفسیات جارج سپرلنگ **(George Sperling)** کو یہ بات **1960** عیسوی میں معلوم ہوئی

کہ کانوں کی اپنی یاداشت میں بات (ان کے اندازے کے مطابق) تین چار سیکنڈ تک محفوظ رہتی ہے اور اگر انسان اس پر توجہ نہ دے تو ظائع ہو جاتی ہے اور توجہ دے تو ذہن کی یاداشت (Working Memory) میں داخل ہو کر محفوظ ہو جاتی ہے۔ قرآنِ مجید کی دعوت عام ہے ''ہے کوئی نصیحت لینے والا''۔

**American psychologist George Sperling demonstrated the existence of sensory memory in an experiment in 1960. Sensory memory systems typically function outside of awareness and store information for only a very short time. Iconic memory seems to last less than a second. Echoic memory probably lasts a bit longer; estimates range up to three or four seconds. Usually sensory information coming in next replaces the old information. For example, when we move our eyes, new visual input masks or erases the first image. The information in sensory memory vanishes unless it captures our attention and enters working memory. Roediger, Henry L. "Memory (psychology)." Microsoft® Encarta® 2006 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2005.**

سماعتوں کی طرح بعض لوگ بعض اوقات صرف اس حد تک دیکھتے ہیں کہ بات حواس کی یاداشت (Sensory Memory) سے آگے نہیں بڑھتی۔ جوں ہی آنکھ پھری دیکھی ہوئی شئے یاداشت سے محو ہوگئی۔ نظر (eye ball) اور بصر (Vision) میں فرق ہے

وَتَرَىٰهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝

''اور آپ (ﷺ) دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں دیکھتے'' (حوالہ الاعراف۔۱۹۸)

وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ

''اور ان میں کچھ آپ (ﷺ) کی طرف دیکھتے (نظر ڈالتے) ہیں۔

أَفَأَنتَ تَهْدِى ٱلْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوا۟ لَا يُبْصِرُونَ ۝

تو کیا آپ ''اندھوں'' کو راہ دکھائیں گے اگرچہ راستہ ان کی بصارتوں میں نہ ہو؟'' (سورۃ یونس۔۴۳)

آپ آنکھوں والے کو راہ دکھا سکتے ہیں لیکن اگر اس آنکھوں والے نے اس راستے کو اس انداز سے دیکھا تھا کہ اس کی جھلک محض آنکھ کے نظام کی ''یاداشت'' (Iconic memory) تک محدود تھی تو دوسرے ہی لمحے وہ راستہ اس کی یاداشت سے محو اور اوجھل ہو جائے گا اور اس کی کیفیت اس اندھے جیسی ہو جائے گی جس نے وہ راستہ دیکھا ہی نہ تھا۔ نظر اس وقت بصارت میں تبدیل ہوتی

ہے جب دیکھی ہوئی شئے، علامت، نشانی، راستے کو عقل نے جانچ / پرکھ (interpret) لیا ہو تا کہ یاداشت میں اس انداز میں محفوظ ہو جائے کہ اسے یاد (Retrieve,decode,recode) کر کے دیکھا جا سکے۔ ہم راہوں کو دیکھتے، جانتے اور پہچانتے اس بناء پر ہیں کہ وہ ہماری یاداشت میں محفوظ ہوتے ہیں۔

**Vision**, ability to see the features of objects we look at, such as col or, shape, size, details, depth, and contrast. Vision is achieved when the eyes and brain work together to form pictures of the world around us. (The eye is an organ. Behind its visible portions is a complicated array of delicate mechanisms that work in unison to transmit an image to the brain.) Vision begins with light rays bouncing off the surface of objec ts. These reflected light rays enter the eye and are transformed into electrical sig nals. Millions of signals per second leave the eye via the optic nerve and travel to the visua l area of the brain. Brain cells then decode the signals into images, providing us with sig ht. Almost all animals respond to light. The one-celled amoeba responds to light by tur ning in its direction. Bees have complicated eyes that contain many lenses for sensing color s and shapes of flowers. However, it is the vertebrates (animals with backbones) that hav e eyes and a brain that work together to process light into true images. Human vision is particularly unique in that the human brain can process visual images and use them to create language and pictures and to store information for future use. Faye, Eleanor E. "Vision." Microsoft® Encarta® 2006 [DVD]. Redmond, WA: Microsoft Corporation, 2005.

سماعت میں آنے والا اسم، بات اور نگاہوں میں آنے والی شئے علم کے درجے اور مقام پر اس وقت فائز ہوتی ہے جب ذہن کی یاداشت پر نقش ہو جائے، یاداشت (Memory) میں محفوظ، بند، قید ہو جائے۔ اور یاداشت میں محفوظ کرنے کی صلاحیت کو قرآنِ مجید نے عقل'' کہا ہے۔ ''عقل''، عجم کا لفظ نہیں عربی مبین کا ہے جس کے ہر لفظ میں بات کو ''فصل''، یعنی الگ الگ کرنے کی صلاحیت پنہاں ہے اور اپنے آپ میں ایک متعین حقیقت (scientific fact) ہے۔ عربی مادہ ''ع ق ل'' کے معنی روکنا، منع کرنا ہیں ۔ 'عِقال'' اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کی ٹانگ کے نچلے حصہ کو موڑ کر اس کی پنڈلی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ ''عَقَلَ فُلَانَا ۔ فلاں کو روک دیا، بند کر دیا، قید کر دیا''۔ ''اَلْمَعْقِلُ۔ جائے پناہ کیونکہ آدمی اس میں پناہ گیر ہوتا اور رک جاتا ہے۔ نیز اس لئے کہ وہ جگہ دشمن کو وہاں آنے سے روک دیتی ہے''۔ ان معنی اور مفہوم میں ''عقل'' کا بنیادی فریضہ معلومات، ''علم'' کو قید کرنا، محفوظ کرنا ہے۔

اور یوں ''عقل''، دشمن سے محفوظ رہنے کیلئے حصار، قوت، طاقت بھی مہیا کرتی ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے تو لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ''کسی بھی شئے کا علم نہیں رکھتا'' یہ حالت کیسی ہے؟ اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضُعْفٍ ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور پیدا کیا'' (حوالہ الروم۔۵۴)

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ''بعدازاں تمہیں بچہ بنا کر خارج کرتے ہیں'' (حوالہ غافر۔۶۷)۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا۟ أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا۟ شُيُوخًا

''تا کہ بعدازاں بھرپور طاقتور جوانی کو پہنچو، اور بعدازاں تم بوڑھے ہو جاؤ

وَلِتَبْلُغُوٓا۟ أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اور تا کہ تم مقررہ مدت پوری کرو، اور شاید کہ تم عقل وفکر سے کام لو'' (غافر۔۶۷)

قرآنِ مجید نے واضح فرمایا کہ سننا اور دیکھنا اس وقت معنی خیز اور علم بنتا ہے جب قلب وذہن (عقل) کی توجہ ہو اور وہ اسے پرکھ کر محفوظ کرلیں۔ اور لاعلمی کی حالت سے تعقل کرنا طاقت، ارتقاء اور زندگی کا سفر ہے۔ اور اس سفر میں سماعت، بصارت اور تعقل کی صلاحیتوں کے بیک وقت استعمال سے انسان لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا کی حالت سے نکل کر ''تَعْلَمُونَ، يَعْلَمُونَ'' یعنی جاننے والا، علم والا بنتا ہے کیونکہ اس علم کو اپنی یادداشت سے نکال کر بیان کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے۔ علم اشیاء، ظاہری علامتوں، نشانیوں اور عربی زبان کے حوالے سے بتائیں تو علم ءَ ايَةٍ کا ہوتا ہے اور یادداشت میں محفوظ ہونا علم کی بنیادی شرط ہے اور اگر یادداشت میں محفوظ علم کو باہر نہ نکالا جا سکے تو وہی شخص عالم سے کسی بھی شئے کے متعلق لاعلم بن جائے گا اور اسی حالت اور کیفیت میں چلا جائے گا جب طفل کے طور پر ماں کے بطن سے لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا کی حالت میں خارج کیا گیا تھا۔ ہر انسان کی بصیرت وعلم اس کے ذہن پر نقش وہ یادیں ہیں جو زندگی کے اُس مقام تک اس کی سماعتوں اور بصارتوں میں آئی تھیں اور جو اس کیلئے علم، ذھانت، دانائی، فہم، تجربہ، بصیرت کا باعث بنی تھیں۔ اور ذہن میں محفوظ ان یادداشتوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ اگر ان تک انسان کی رسائی نہ رہے تو جوتے کا تسمہ بھی نہ باندھ سکے۔ یہ أَرْذَلِ الْعُمُرِ ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۃ النحل کی ۷۰ اور الحج کی آیت ۵ میں یہ اطلاع دی گئی ہے:

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا (حوالہ النحل۔۷۰)

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا (حوالہ الحج۔۵)

''اور تم میں سے کسی کو لوٹایا جاتا ہے نکمی، کمتر درجے کی مدت حیات کی جانب تا کہ علم حاصل ہو جانے کے بعد کسی شئے کا علم نہ جان سکے''

کائنات، مادے اور حیات کی تخلیق مقصد کے زیر اثر ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اسے آزمایا جانا ہے، جس کیلئے مطلوبہ صلاحیت اسے دی گئی ہے فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا o اس لئے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا ہے'' (الانسان۔۲)۔

آسمانوں، زمین، مادہ اور حیات کی تخلیق کا مقصد یہ ہے

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ''تا کہ تمہیں آزمائے (ظاہر کرے) کہ تم میں کون عمدہ عمل کرتا ہے'' (حوالہ ھود۔۷)۔

تمام تخلیق کا منتہائے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہم سے کون أَحْسَنُ عَمَلًا عمدہ عمل پر کاربند ہوتا ہے۔ ''عمل'' کے معنی اور مفہوم کیا ہے؟ یہ اس صلاحیت کا نام ہے جس میں انسان اپنی یاداشت میں محفوظ علم کے ذخیرے میں سے کچھ قطع کر کے نکال کر ''بیان، تذکرہ'' اور حرکت کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ ''عمل'' درحقیقت علم کی مقلوب شکل ہے اس لئے عمل ہمیشہ دانستہ ہوتا ہے کیونکہ یہ سرزد نہیں ہوسکتا جب تک اس کے متعلق ''علم'' یاداشت (Memory) میں محفوظ نہ ہو۔ یاداشت میں سے اس ''علم'' کو نکال (retrieve, decode) کر حرکت میں ڈھالنے کو ''عمل'' کہتے ہیں۔ جن وانس کے امتحان کیلئے لفظ ''فعل'' استعمال نہیں فرمایا کیونکہ قرآنِ مجید کے مطابق جنات سے جو بھی امر سرزد ہوتا ہے وہ ''فعل'' نہیں کہلاتا بلکہ ''عمل'' کہلاتا ہے اور انسان سے ''فعل'' بغیر ارادے کے بھی سرزد ہوسکتا ہے۔ لہٰذا أَحْسَنُ عَمَلًا کیلئے لاینفک شرط علم ہے جن کے حصول کا ذریعہ سماعتیں، بصارتیں اور دل ودماغ ہیں۔ پیدائش کے بعد علم کا بتدریج حصول اور اس کی مقلوب شکل عمل زندگی کے ارتقاء کا مظہر ہے۔

انسان کی اظہار بیان اور عمل کرنے کی صلاحیت اس بات کی محتاج ہے کہ یاداشت میں محفوظ علم تک رسائی ہو اور دماغ سے نکال کر اسے سینے میں لاکر دیکھ سکے۔ دماغ اور کمپیوٹر کا دماغ (hard disk) مکمل اندھیرے میں ہوتا ہے اس لئے اس میں محفوظ علم کو سینے اور مانیٹر کی سکرین ہی پر دیکھا جاسکتا ہے (ماہرین دماغ، اعصاب اور قلب اس نکتے پر توجہ اور تحقیق کریں کہ قرآن مجید عقل استعمال نہ کرنے والوں کو دل کے اندھے قرار دیتا ہے ''اس لئے بصارتیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں'' (الحج۔۴۶))۔ اور اگر انسان کی یاداشت میں محفوظ علم تک رسائی بتدریج ختم ہونا شروع ہوجائے تو اس عمرِ زندگی کے ہر گزرنے والے لمحے میں اس حالت اور کیفیت کے قریب ہوتا چلا جائے گا جب طفل کے طور پر ماں کے پیٹ سے لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا کی حالت میں خارج کیا گیا تھا۔ یہ أَرْذَلِ الْعُمُرِ ہے۔ اس کی پہچان اور خصوصیت صرف یہ بتائی گئی ہے، '' لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا '''' وہ نہ جان سکے حصول علم کے بعد، کسی شئے کا علم''

انسان کی حیات کیلئے علم کی اہمیت اور مقام کیا ہے؟ قرآنِ مجید نے حالتِ علم سے لاعلمی کی جانب جانے کو يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ بتایا ہے۔ أَرْذَلِ کا مادہ 'ر ذ ل' ہے اور یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اس کے ردی اور نکما ہونے کی وجہ سے بے رغبتی کی جائے۔ الْعُمُرِ کا مادہ ''ع م ر'' ہے اور اس مدت کا نام ہے جس میں بدن حیات کے ساتھ آباد رہے (راغب)۔ بعض انسانوں کی زندگی کا وہ

دورانیہ، مدت جس میں وہ علم حاصل ہو جانے کے بعد اس حالت میں واپس پھیر دیا جاتا ہے کہ علم کو نہ جان سکے أَرْذَلِ الْعُمُرِ ہے۔ یہ انسان ذہن میں علم ہونے کے باوجود لَا يَعْلَمَ اس کو جان، حاصل نہیں کر سکتا۔ اور علم بیان کرنے اور عمل کے قالب میں ڈھالنے کی صلاحیت کا نام ہے اس لئے أَرْذَلِ الْعُمُرِ کی جانب پھیر دیئے جانے والا شخص بتدریج بیان اور عمل کی صلاحیت سے محروم ہوتا جاتا ہے

قرآنِ مجید نے بتایا ہے کہ أَرْذَلِ الْعُمُرِ میں کسی انسان کو اچانک نہیں لے جایا جاتا بلکہ بتدریج ''علم، اشیاء کو جاننے'' کی حالت سے لَا يَعْلَمَ کی حالت میں پہنچتا ہے اور اس کی آخری منزل لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ہے۔ اور یہ وہی کمزوری، ضعف کی حالت ہے جب دنیا میں آیا تھا کہ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ''کسی شئے کا علم نہیں رکھتا'' اور ہر شئے کیلئے دوسروں کا محتاج تھا۔ اور لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا کی حالت، مقام سے سے نکل کر آگے بڑھنے اور ''يَعْلَمُوْنَ'' یعنی جاننے والا، علم والا'' تک پہنچنے کا مرحلہ، سفر بتدریج ہے۔ ''يَعْلَمُوْنَ'' وہ منزل ہے جب انسان اپنے ارادہ واختیار، ذہنی وفکری صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے علم کو اپنے اعمال کے قالب میں ڈھالتا ہے اور اس منزل پر وہ بھرپور جوانی میں پہنچتا ہے۔ اس منزل سے بعض انسانوں کی واپسی کے سفر کیلئے لفظ 'يُرَدُّ' استعمال کیا گیا ہے۔ یہ واحد مذکر غائب مضارع مجہول ہے۔ اس کا مادہ ''ردد'' اور معنی لوٹا دینا، واپس کر دینا ہیں۔ اسی راستہ پر پلٹنے کو کہتے ہیں جس سے وہ آیا ہو۔ کسی معاملہ میں مذبذب رہنا اور کسی فیصلہ تک نہ پہنچ سکنا۔ يُـــــرَدُّ کے معنی میں اچانک کا مفہوم نہیں بلکہ لوٹایا جانا اور کسی جانب واپس کیا جانا (Progressive, gradual) ایک بتدریج عمل ہے۔

أَرْذَلِ الْعُمُرِ کی پہچان، خصوصیت، صفت صرف ایک لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا بتائی گئی ہے۔ اس عمر میں انسان اس وقت لوٹایا جاتا ہے جب علم حاصل کر چکا ہوتا ہے اور وہ بھرپور جوانی سے شروع ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا

وَٱللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّىٰكُمْ ''اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا۔ بعد ازاں وہ تمہیں وفات دیتا ہے

وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ''اور تم میں سے کسی ایک کو لوٹایا جاتا ہے نکمی، کمتر درجے کی مدت حیات کی جانب تا کہ علم حاصل ہو جانے کے بعد کسی بھی شئے کا علم نہ جانے'' (حوالہ النحل۔۷۰)۔ پیدائش اور وفات کے مابین انسان کی زندگی، عمر کا دورانیہ ہے۔ اس سے کسی کو یہ تاثر مل سکتا تھا کہ عمر کے کسی بھی حصے میں کسی انسان کو أَرْذَلِ الْعُمُرِ میں لوٹایا جا سکتا ہے۔ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ یہ ''تصریف آیات' یعنی بات، علم کو پھیر پھیر کا بیان کرنا'' کے ذریعے علم اور حقیقت کو اس انداز میں واضح کر دیتا ہے کہ کوئی اس کی کسی بھی آیت (اطلاع) سے علم وحقیقت کے منافی نتیجہ اخذ نہ کرتا رہے۔ فرمایا

ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلٗا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوٓاْ أَشُدَّكُمۡۖ

''بعدازاں تمہیں (ماں کے رحم سے) خارج کرتے ہیں طفل کے طور پرتا کہ بعدازاں تم اپنی بھرپور جوانی کو پہنچو''۔

اور پھراس بھرپور جوانی میں کیا ہوتا ہے؟

وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرۡذَلِ ٱلۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ مِنۢ بَعۡدِ عِلۡمٖ شَيۡـٔٗاۚ

''اورتم میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے۔ اور تم میں سے کسی ایک کولوٹایا جاتا ہے نکمی، کمتر درجے کی مدت حیات کی جانب تا کہ علم حاصل ہوجانے کے بعد کسی بھی شئے کا علم نہ جانے'' (حوالہ الحج۔۵)

کوئی بھرپور جوانی میں وفات پا جاتا ہے اوراس بھرپور جوانی میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جسے أَرۡذَلِ الۡعُمُرِ کی حالت میں کردیا جاتا ہے۔اور سورۃ النحل کی آیت ۷۰ کے ساتھ اسے پڑھنے وے واضح ہوجاتا ہے کہ بھرپور جوانی کے بعد وفات تک کی عمر میں کسی انسان کو أَرۡذَلِ الۡعُمُرِ کی جانب پھیرا جاسکتا ہے۔

قرآنِ مجید نے بعض انسانوں کو أَرۡذَلِ الۡعُمُرِ میں لوٹائے جانے پران کی جو حالت اور کیفیت چودہ سو سال قبل بتائی تھی اسے ۱۹۰۶ عیسوی سے ایک بیماری سمجھا جاتا ہے جس کا نام ماہر نفسیات کے نام (Alois Alzheimer) پر Alzheimer's Disease رکھا گیا ہے جن کا تعلق جرمنی سے تھا۔اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس بیماری کو ''پہلی مرتبہ'' بیان کیا تھا۔

Alzheimer's Disease کے متعلق انسائکلو پیڈیا اینکارٹا سے شکریہ کے ساتھ ایک اقتباس:

**Alzheimer's Disease**, **progressive brain disorder that causes a gradual and irreversible decline in memory, language skills, perception of time and space, and, eventually, the ability to care for oneself**. First described by German psychiatrist **Alois Alzheimer in 1906**, **Alzheimer's disease was initially thought to be a rare condition affecting only young people, and was referred to as presenile dementia. Today late-onset Alzheimer's disease is recognized as the most c ommon cause of the loss of mental function in those aged 65 and over. Alzheimer's in people in their 30s, 40s, and 50s, called early-onset Alzheimer's disease, occurs much less frequen tly, accounting for less than 10 percent of the estimated 4 million Alzheimer's cases in the Unit ed States, Alzheimer's patients may live many years with the disease, usually dying from other disorders that may develop, such as pneumonia. Typically the time from initial diagnosis until death is seven t o ten years, but this is quite variable and can range from three to twenty years, depending on the age of onset. The causes of Alzheimer's disease remain a mystery.**

سَنُرِيهِمْ ءَايَـٰتِنَا فِى ٱلْأَفَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ

''ہم قرآنِ مجید کاانکار کرنے والوں کوآفاق میں اور خود ان کی ذات میں اپنی آیات (نشانیاں، علم، معلومات) دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ یہ قرآنِ مجید بیان حقیقت (statement of proven facts) ہے'' (حوالہ فصلت ۵۳)

قرآنِ مجید نے لفظ ''یُــــرَدُّ'' استعمال کر کے واضح کیا ہوا ہے کہ یہ پلٹانا ہے اس لئے اس پراسس کو لوٹایا نہیں جاسکتا (irreversible)۔ قرآنِ مجید نے ''مِـنـکُـم'' ''تم لوگوں میں سے'' کہا ہوا ہے اس لئے ضروری نہیں کہ اس کا سبب موروثی (inheritence) ہو۔ علم حاصل ہو جانے کے بعد لاعلم ہونے کی جانب جس کسی کو لوٹا دیا گیا تو پھر صفر علم تک پہنچنے کے دورانیے کو طول تو دیا جاسکتا ہے لیکن اس شخص کو اس نقطے پر واپس نہیں لایا جاسکتا جہاں سے اسے لاعلمی کی جانب پھیر دیا گیا تھا۔ قرآنِ مجید کے الفاظ ''بَـعْـدِ عِـلْـمًـا'' سے واضح ہوتا ہے کہ اس شخص کی یاداشت (Memory) پر نقش علم، معلومات (data) ضائع نہیں ہوجاتا بلکہ ''لَا یَــعْــلَــمَ'' وہ نہ جانے یعنی اس علم پر اس کی دسترس نہیں رہی (access denied) جس کی بناء پر یاداشت سے (retrieve,decode) نکال نہیں سکتا۔ اس انسان کے دماغ اور دل کے درمیان کوئی حائل ہوگیا ہے، رکاوٹ بن گیا ہے۔

أَرْذَلِ الْعُمُرِ کی جانب لوٹائے جانے والے لوگ چونکہ بھرپور جوانی اور اس کے بعد کی عمر کے ہوتے ہیں اس لئے اس کے اسباب کی تلاش میں ان لوگوں کے جنسی معاملات کے متعلق تحقیق بھی فائدہ مند ثابت ہوگی۔ اس ''بیماری'' کے اثرات ظاہر ہونے پر اس شخص کے جنسی رویئے کی چھان بین بھی کرلینی چاہئے اور اگر وہ مرد اور عورت کے مابین تسلیم شدہ طریقے کے علاوہ کار سیا ہے تو اسے اس کی ممانعت کردی جائے اور یوں تحقیق کے دائرے کو وسیع کیا جائے۔ أَرْذَلِ الْعُمُرِ میں لوٹائے جانے والوں کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس علم پر اُن کی دسترس ختم ہونا شروع ہوجاتی ہے جو ان کی یاداشتوں میں محفوظ ہوتا ہے اس لئے قرآنِ مجید میں دیئے گئے ایک حکم، نصیحت پر عمل کرنے سے اس پراسس کو آہستہ کرنے میں انشاء اللہ مدد ملے گی اور اس پر عمل کرنے کیلئے قرآنِ مجید پر ایمان لانا کوئی شرط نہیں۔ سبحان اللہ!

ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ''اللہ تعالیٰ مستغنی ہے''۔ آقائے نامدار ﷺ کو نصیحت فرمائی

وَقُل رَّبِّ زِدْنِى عِلْمًا ۝ ''اور آپ (ﷺ) کہیں ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما'' (حوالہ طٰہٰ۔۱۱۴)۔

یہ لوگ ''رَبِّ زِدْنِى عِلْمًا'' کثرت سے عربی زبان کے انہی الفاظ میں دہرائیں جس کے معنی ہیں ''میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما'' (O My Lord! Increase my knowledge)۔ ان لوگوں کو اس دعا کا لفظ ''زِدْنِـی'' اس حوالے سے بھی فائدہ دے گا کہ یہ سورۃ الرعد کی آیت ۸ میں ''تَــغِیــضُ'' کے بالمقابل بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی کم ہوجانے، اندر

چلے (سمٹ) جانے اور جذب ہو جانے کے ہیں اور یوں ان لوگوں کے حوالے سے اس کا مفہوم یہ بھی ہو جائے گا ''یا رب! ہمارے علم کو ابھار، نمایاں کردے''۔ **(O My Lord! he p me to retrieve my knowledge)**

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ

''اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس مَّوْعِظَةٌ (نصیحت) آ گئی ہے، اور جو سینوں میں ہے اس کیلئے شفاء ہے وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ اور ہدایت اور مومنین کیلئے رحمت''۔ مَّوْعِظَةٌ کا مادہ ''و ع ظ'' اور اس کے معنی کسی کو کسی کام کے اچھے انجام اور مضر عواقب و نتائج سے آگاہ کر کے اس کے دل کو نرم کرنا ہیں۔ ابن فارس نے اس کے معنی انذار و تخویف بتائے ہیں نیز اس طرح خیر کی باتیں کرنا کہ دل نرم ہو جائیں۔ یہ لوگ شہد کو باقاعدہ استعمال کریں کہ اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے (حوالہ سورۃ النحل۔۶۹)۔

(انسائکلو پیڈیا ''اینکارٹا'' کی اطلاع کے مطابق صرف امریکہ میں ان لوگوں کی تعداد جنہیں أَرْذَلِ الْعُمُرِ میں لوٹایا گیا ہے چالیس لاکھ سے متجاوز ہے اور ان میں امریکہ کے سابق صدر جناب ریگن بھی شامل تھے)

قرآنِ مجید کی دعوت عام ہے ''ہے کوئی نصیحت لینے والا''۔

قَدْ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَنْ عَمِىَ فَعَلَيْهَا ۚ

(آپ ﷺ فرمائیں) ''بیشک تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھول دینے والا (قرآنِ مجید) آ گیا ہے،
اب جو دیکھتا ہے وہ اس کے اپنے لئے ہے اور جو اندھا رہا اس کا وبال اسی پر ہوگا''

قرآنِ مجید آسان فہم لازوال تفسیرِ حقیقت ہے۔ علم کے معنی و مفہوم اور اس کی قدر و قیمت اور علم اور عمل کے مابین تعلق کو آنکھوں سے دیکھے جانے والے انداز میں بیان فرما دیا اور دنیا میں لوگوں کو دکھا بھی دیا ہے۔

سَنُرِيهِمْ ءَايَـٰتِنَا فِى ٱلْـَٔافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ ۗ

''ہم قرآنِ مجید کا انکار کرنے والوں کو آفاق میں اور خود ان کی ذات میں اپنی آیات (نشانیاں، علم، معلومات) دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآنِ مجید بیانِ حقیقت **(statement of proven facts)** ہے'' (حوالہ فصلت ۵۳)